© rasailojaraid.com

تفسیر معارف القرآن (مفتی محمد شفیعؒ) میں مباحثِ تصوف

(ایک جائزہ)

حافظ محمود اختر*

معارف القرآن (مفتی محمد شفیعؒ) معروف معنوں میں ایک فقہی تفسیر ہے اور اس میں تصوف کے عنوان کے تحت کچھ بھی بیان نہیں کیا گیا لیکن اگر بنظر غائر تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں تصوف کے بڑے قیمتی نکات جگہ جگہ موجود ہیں۔ تفسیر میں جن جن مقامات پر تصوف سے متعلق نکات موجود ہیں اگر ان کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ تفسیر تصوف کے حوالے سے شاہ ولی اللہ اور ان کے بعد مولانا اشرف علی تھانویؒ کی فکر کی نمائندہ تفسیر ہے۔ یہی فکری منہج ایک ''متحرک اور فعال تصوف'' کا تصور پیش کرتا ہے جو خالصتاً کتاب و سنت سے مستنبط شدہ ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نقطہ نگاہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنے آپ کو عبادات اور اذکار کیلئے الگ تھلگ نہ کر لیا جائے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں انسان اپنا کردار ادا کرے۔ عقائد، عبادات، معاش، معاشرت اور سیاست کے شعبوں میں اپنی ذمہ داریاں بھرپور انداز سے ادا کی جائیں۔ معاشی جدوجہد میں حصہ لیا جائے۔ معاشرتی زندگی میں انسانوں کے حقوق و فرائض مکمل طور پر ادا کئے جائیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے، اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے کائنات کی جو بے شمار نعمتیں پیدا کی ہیں ان نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے اور دین و دنیا، دنیا و آخرت، روح اور مادہ کے تقاضوں اور مطالبات کے درمیان تناسب کو ملحوظ رکھتے ہوئے دنیوی نعمتوں اور دنیوی جدوجہد میں حصہ لیا جائے اور آخرت کی فلاح کیلئے سامان کیا جائے۔ اسی تصور کو مفتی محمد شفیع نے معارف القرآن میں پیش کیا ہے۔ آئندہ سطور میں تفسیر معارف القرآن میں بیان شدہ تزکیہ نفس کے حوالے سے نکات پیش کئے جائیں گے۔

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۴۲ ''وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ'' کے تحت آپ لکھتے ہیں کہ یہاں تیس اور دس راتوں کے اعتکاف کی تکمیل کے بعد کتاب عطا کئے جانے کا وعدہ ہے۔ اس اعتکاف میں حضرت موسیٰ نے چالیس روز تک مسلسل روزہ ہی رکھا۔ درمیان میں افطار نہیں فرمایا۔ اس سے مفتی صاحب ایک نکتہ

---

* پروفیسر/ڈین، کلیہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکالتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تلاشِ خضر میں سفر کر رہے تھے تو آدھے دن کی بھوک بھی برداشت نہ کر سکے اور فرمایا کہ لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا۔(الکھف:62) ہمارے لئے کھانا لاؤ کیونکہ اس سفر نے ہمیں تھکان میں ڈال دیا ہے، لیکن کوہِ طور پر آپ نے مسلسل تیس دن کا روزہ رکھا۔ مولانا نے تفسیر روح البیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ فرق ان دونوں سفروں کی نوعیت کے سبب سے تھا۔ پہلا سفر مخلوق کے ساتھ مخلوق کی تلاش میں تھا اور طور کا سفر مخلوق سے الگ ہو کر ایک ذات حق سبحانہ کی جستجو میں تھا۔ اسی اثر کے تحت بشری تقاضے کمزور ہو گئے۔ کھانے پینے کی ضرورت کم ہو گئی۔ کہ تیس روز تک کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔(۱) چالیس راتوں کے اعتکاف میں روحانی حکمت پوشیدہ تھی۔ باطنی اصلاح میں اسے خصوصی دخل حاصل ہے۔ اسی مناسبت سے اسلام میں بھی چالیس دن کی ریاضت کو اہمیت حاصل ہے۔ ایک حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''جو شخص چالیس روز تک اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے تو اللہ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری فرما دیتے ہیں۔''(۲)

تزکیہ نفس کیلئے مزکی کی ضرورت و معیار:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں سے ایک فرض تزکیہ نفس بھی ہے۔ تزکیہ میں انسان کی باطنی صفائی (کفر، شرک، تکبر، حسد، بغض وغیرہ سے دلوں کو پاک کرنا) اور ظاہری جسم کو پاک وصاف رکھنا، شامل ہے۔ آپ کے ان فرائض وامتیازات کا ذکر قرآن میں سورۃ البقرۃ ۱۲۹، ۱۵۱ سورۃ آلِ عمران: ۱۶۴ اور سورۃ الجمعۃ: ۲ میں کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے حوالے سے دعائے ابراہیمی میں بھی تزکیہ نفوس شامل ہے۔ مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ آپ کے فرائضِ نبوت میں تعلیم کتاب کے ذکر کے باوجود تزکیہ نفس کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے سے کوئی فن حاصل نہیں ہوجاتا اسی طرح نظری اور علمی طور پر فن حاصل ہوجانے سے اس کا استعمال اور کمال حاصل نہیں ہوتا جب تک کسی مربّی کے زیرِ نظر اس کی مشق کر کے عادت نہ ڈالی جائے۔ سلوک و تصوف میں کسی شیخ کامل کی تربیت کا یہی مقام ہے کہ قرآن وسنت میں جن احکام کو علمی طور پر بتلایا گیا ہے ان کی عملی طور پر عادت ڈالی جائے۔ مولانا لکھتے ہیں جس طرح اسلام کی ابتداء ایک رسول اور ایک کتاب سے ہوئی اور ان دونوں کے امتزاج سے ایک مثالی معاشرہ پیدا کیا، اسی طرح آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے ایک طرف شریعتِ مطہرہ دی تو ساتھ ہی ''رجال اللہ'' کا سلسلہ جاری رہا ہے کہ کتاب اور پیغمبر کی پیروی کرنے والے پیغمبرانہ طرزِ عمل کا نمونہ پیش کر کے لوگوں کی اصلاح کا سلسلہ جاری رکھیں قرآن نے اسی حوالے سے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ ۔(۳)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری جگہ صادقین کی تعریف اور اوصاف سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۷۷ میں بیان کئے کہ وہ ایمان کی پختگی کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا کی خاطر مستحق لوگوں کے مالی حقوق پورے کرنے والے اور لوگوں کی تکالیف کو رفع کرنے، نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والے، اپنے وعدوں کی تکمیل کرنے والے اور ہر لحظہ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ قوموں کی اصلاح و تربیت کیلئے ہر زمانے میں قرآنی ہدایت، اس کے ماہرینِ شریعت اور اللہ والوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ دونوں باتیں مل کر شریعت اور مقصد بعثتِ محمدی کی تکمیل کرتی ہیں۔

آپ لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں بہت سے لوگ افراط و تفریط میں پڑ جاتے ہیں اور نتیجہ فائدے کی بجائے نقصان کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ بعض لوگ کتاب اللہ کو نظر انداز کر کے علماء و مشائخ ہی کو قبلہ و مقصود بنا لیتے ہیں اور اس کی تحقیق نہیں کرتے کہ جسے شیخ تسلیم کر رہے ہیں۔

وہ شریعت پر عمل کرنے والا ہے یا نہیں۔ وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ(۴) (وہ لوگ جو کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں)۔ مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کتاب سے تمسک کرنے والا اور اس کی پابندی کرنے والا صرف اسے سمجھا جائے گا جو نماز کو اس کے آداب و شرائط کے ساتھ پابندی سے ادا کرے۔ جو شخص نماز میں کوتاہی کرے وہ کتنے ہی وظائف پڑھے اور مجاہدے کرے اور اس سے کشف و کرامت کا صدور بھی ہوتا ہو، اللہ کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔ (۵)

یہود میں یہ مرض موجود تھا اور قرآن نے اس کی مذمت کی ہے کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ(۶) یعنی ان لوگوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا اپنا معبود بنا لیا۔ کتاب و سنت کی تعلیمات کو نظر انداز کر کے محض علماء و مشائخ کی باتوں کو اتباع کا مرکز بنا لینا گمراہی ہے۔ اسی طرح دوسری طرف وہ لوگ بھی ہیں جو علومِ قرآن کیلئے کسی مربی و معلم کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے۔ یہ دوسری گمراہی ہے۔ اس گمراہی کا نتیجہ دین و ملت سے نکل کر نفسانی اغراض کا شکار ہونا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ افراط و تفریط کے ان دونوں راستوں سے بچتے ہوئے ان دونوں چیزوں کو اپنے اپنے مقامات اور حدود میں رکھ کر ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ سمجھا جائے کہ حکم صرف اللہ کا ہے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اسی لئے ہے کہ وہ اللہ کے احکام کی عملی شکل ہوتی ہے۔ (۷)

مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں تزکیہ کو تعلیم کتاب سے الگ کر کے مستقل مقصدِ رسالت کے طور پر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تعلیم کتنی ہی صحیح ہو محض تعلیم سے عادۃً اصلاح اخلاق نہیں ہوتی جب تک کہ کسی تربیت یافتہ مربی کے زیرِ نظر عملی تربیت کا اہتمام نہ ہو تعلیم کا کام سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ منزل تک پہنچنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیلئے محض راستے کا علم ہونا ہی کافی نہیں جب تک کہ عزم وارادہ کے ساتھ اس تعلیم پر عمل کرنے کیلئے قدم نہ اُٹھایا جائے۔ یہ کام محض کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے سے مکمل نہیں ہوتا۔اس کام کیلئے ضروری ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرکے ان سے تربیت حاصل کی جائے۔یہی کام تزکیہ نفس ہے۔(۸)

دین ودنیا کے امتزاج کے ساتھ نفس کا تزکیہ

مفتی محمد شفیع "آیت قرآنی" رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ:201)''اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا اکثر کیا کرتے تھے۔گویا اسلامی تصورِ حیات میں دین اور دنیا دونوں کی بھلائی اللہ سے طلب کرنا شامل ہے۔مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ان جاہل درویشوں کی بھی اصلاح کی گئی ہے جو صرف آخرت ہی کی دعا کرتے ہیں اور اسی کو عبادت جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا کی کوئی پرواہ نہیں ہے درحقیقت یہ ان کا دعویٰ غلط اور خیال خام ہے۔انسان اپنے وجود اور بقاء اور عبادت وطاعت سب میں ضروریاتِ زندگی کا محتاج ہے وہ نہ ہوں تو دین کا کوئی بھی کام کرنا مشکل ہے۔اسی لئے انبیاء کی سنت یہ ہے کہ جس طرح وہ آخرت کی بھلائی اور بہتری اللہ سے مانگتے ہیں اسی طرح وہ دنیا کی بھلائی اور آسائش بھی طلب کرتے ہیں جو شخص دنیوی حاجات کیلئے دعا مانگنے کو زہد و بزرگی کے خلاف سمجھے وہ مقام انبیاء سے بے خبر اور جاہل ہے، ہاں صرف دنیوی حاجات ہی کو مقصدِ زندگی نہ بنائے۔(۹)

سورۃ القصص کی آیت نمبر ۷۶ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ قارون سے اس کی قوم نے کہا کہ تو اپنی دولت پر گھمنڈ نہ کر۔بے شک اللہ اترانے والے کو پسند نہیں کرتے لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ یہاں صاحبِ تفسیر لکھتے ہیں فَرَح کا لفظ قرآن میں اس خوشی کیلئے بولا جاتا ہے جو کسی دنیوی خوشی کے موقع پر حاصل ہوتی ہے۔ قرآن میں یہ لفظ محمود معانی میں بھی استعمال ہوا ہے اور مذموم معانی میں بھی آیا ہے۔اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (القصص:۷۶) لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰـكُمْ (الحدید:۲۳) فَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (الرعد:۲۶) فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ مذموم معانی میں آیا ہے جبکہ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (الروم:۴) فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا (یونس:۵۸)۔محمود معانی میں آیا ہے مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں کہ مذموم اور ممنوع وہ فرح ہے جو اترانے اور تکبر کرنے تک پہنچ جائے اور جو خوشی اس حد تک نہ پہنچے وہ ممنوع نہیں بلکہ ایک حیثیت سے یہ خوشی مطلوب ہے کہ یہ اللہ کی نعمت کی شکرگزاری کی ایک شکل ہے۔(۱۰)

سورۃ القصص کی آیت نمبر ۷۷ میں فرمایا وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا (اور دنیا میں اپنا حصہ بھلا نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے) مفسرین کی ایک جماعت کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ تجھے دیا ہے اس سے اپنی آخرت کا سامان بھی کرو مگر اپنی ضروریاتِ زندگی کو بھی نہ بھلاؤ کہ سب صدقہ خیرات کر کے کنگال بن جاؤ بلکہ بقدرِ ضرورت اپنے لئے بھی رکھو۔ گویا قرآن نصیب دنیا کا خیال رکھنے یعنی اپنی معاشی ضروریات کا بھی خیال رکھنے کا حکم دیتا ہے۔(۱۱) سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۲۹ میں بھی اسی نوعیت کا حکم دیا گیا ہے کہ وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ اس کو مکمل طور پر کھول دے کہ پھر تو بیٹھا رہے الزام کھایا یا ہارا ہوا) ان تمام احکام سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا کی ضروریات کا لحاظ رکھنا بھی روحِ دین ہے۔

سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ۲، ۳ میں فرمایا وَمَن یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَل لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَایَحْتَسِبُ (اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے ہر مشکل و مصیبت سے نکلنے کا راستہ نکال دیں گے اور ایسے ایسے ذریعوں سے رزق عطا فرمائیں گے جن کا اسے گمان بھی نہ ہوگا) کے تحت مفسر لکھتے ہیں کہ یہاں بھی دنیا کی مصیبتوں اور مشکلات سے نکلنے کا راستہ اللہ تعالیٰ اپنے سے ڈرتے رہنے میں بیان فرما رہے ہیں اور دنیوی رزق بھی اللہ کے خوف کے نتیجے میں ملتا ہے۔ تفسیر روح المعانی کی روشنی میں مولانا نے اس موضوع پر تفصیلی بات کی ہے۔(۱۲)

تزکیہ نفس اور صبر:

صبر کو تصوف میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اور انسان کے رویے کی تشکیل میں اس کا بڑا اہم کردار ہے۔ صبر کا معنی نفس کو روکنا اور اسے قابو میں رکھنا ہے۔ اس کے تین درجے ہیں (الف) اپنے نفس کو ممنوع اور حرام چیزوں اور کاموں سے روکنا، (ب) نفس کو اطاعت و عبادات کی پابندی پر مجبور کرنا، (ج) مصائب و آفات پر صبر کرنا، یعنی جو مصیبت بھی آئے اسے اللہ کی طرف سے اللہ کی مرضی سمجھتے ہوئے برداشت کرنا۔ مفسر لکھتے ہیں کہ ان تینوں شعبوں یعنی ممنوعہ کاموں سے رکنا، اطاعت و عبادت کے کام کرنا اور مصائب و آلام کو اللہ کی مرضی سمجھتے ہوئے انہیں برداشت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قرآن مجید میں صبر کا لفظ مصیبت میں بے قراری سے بچنا۔ مشکلات کو خاطر میں نہ لانا۔ کسی اچھے یا برے کام کے انجام کا انتظار کرنا۔ زیادتی پر معاف کرنا، حق بات پر ثابت قدم رہنا۔ ضبطِ نفس، تکلیف اٹھا کر بھی فرض ادا کرتے رہنا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۵۳،۴۵ اور سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۲۸ میں فرمایا کہ تم صبر اور نماز کے ذریعہ ان مشکل مقامات کا مقابلہ کرنے کیلئے اللہ سے مدد طلب کرو۔ صبر کے ضمن میں مفتی محمد شفیعؒ کی تشریح کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان پر مال اور جاہ و مرتبہ کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ ایمان کے تقاضوں کی تکمیل کرنے والے اعمال سے دور ہو جاتا ہے۔ دولت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیوی مقام ومرتبہ اسے دنیا میں مشغول رکھتے ہیں اور وہ اعلیٰ اعمال کی انجام دہی سے غافل ہو جاتا ہے۔قرآن نے اس کا علاج بتلایا ہے کہ اگر تم جاہ و مال کے غلبہ کی وجہ سے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہ جاتے ہو تو صبر اور نماز کا طریقہ اختیار کرو۔صبر سے حُبِ مال کم ہو گی کیونکہ مال اسی وجہ سے محبوب ومطلوب ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے انسان دنیوی لذات وشہوات کو پورا کرتا ہے جب صبر کے ذریعے ان لذات سے بچنے کا ارادہ کرلے گا تو پھر مال و دولت کی خواہش بھی کم ہو جائے گی۔انسان مال کی محبت میں پڑ کر لوگوں کے حقوق چھینتا اور پامال کرتا ہے۔ آخرت کو بھلاتا ہے۔اگر صبر کے ذریعے مال کی محبت پر قابو پا لیا گیا تو مال کی محبت کی وجہ سے پیدا ہونے والی خرابیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔نماز کے ذریعے حب جاہ ختم ہوتی ہے،مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ نماز بھی صبر کا ایک عملی مظاہرہ ہے نماز میں نفس کو طاعت وعبادت پر محبوس کیا جاتا ہے۔بہت سے مکروہات سے نماز کی حالت میں بچا جاتا ہے۔نماز مساوات کا نمونہ ہے انسان اللہ کے سامنے عاجزی سے سر جھکاتا ہے۔غرباء کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا ہوتا ہے تو اس کا نفس زیر ہوتا ہے۔غرور وتکبر ختم ہوتا ہے۔مولانا لکھتے ہیں صبر سے غیر ضروری خواہشات اور شہوات ترک کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور نماز سے جائز خواہشات پر قابو پانے کی مشق ہوتی ہے۔غیر ضروری خواہشات کے ترک کرنے پر انسان ہمت باندھ لے تو چند روز کے بعد اس کی طبیعت اس کی عادی ہو جاتی ہے اور ان خواہشات کو ترک کرنا اس کی عادت کا حصہ بن جائے گا۔مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں کہ نفس کے تزکیہ میں ھوسِ مال اور ھوسِ جاہ کا بہت گہرا منفی کردار ہوتا ہے۔ان دونوں کی خواہش مٹانے کیلئے قرآن نے صبر اور نماز کو بنیادی ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔(۱۳)

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ صبر کا معنی خلاف طبع چیزوں پر ثابت قدم رہنے اور اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کے بھی ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ ہر تجربہ کار عقل مند شخص جانتا ہے کہ دنیا میں ہر بڑے مقصد کیلئے بہت سی خلاف طبع باتوں کو گوارا کرنا اور محنت و مشقت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔جس شخص کو محنت و مشقت کی عادت اور خلاف طبع چیزوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت حاصل ہو جائے وہ اکثر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ابوداؤد شریف میں روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ’’صبر ایسی نعمت ہے کہ اس سے زیادہ وسیع تر نعمت کسی کو نہیں ملی‘‘۔(۱۴)

فعال زندگی کے ساتھ نفس کا تزکیہ:

مفتی محمد شفیعؒ نے قرآن مجید کی مختلف آیات کی جو تشریح کی ہے اس سے اسلامی تصوف کی روح یہ ہے کہ انسان فعال زندگی گزارے نہ کہ دنیا سے الگ تھلگ ہو جائے۔آپ لکھتے ہیں،فعال عملی زندگی گزارتے ہوئے انسان کو مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔ایک طرف اللہ کے احکام ہوں گے دوسری طرف اس کے نفس کی خواہشات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں گی، اگر وہ حق کی بات لوگوں کے سامنے پیش کرنے والا داعی ہے تو مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا، مخالفین کے ہتھکنڈوں اور مزاحمت کا سامنا کرنا ہوگا، اس طرح کی ہر مشکل کے موقع پر اسلامی تصور زندگی میں عزم و استقلال اور جرأت و بہادری کی راہ دکھائی گئی ہے۔ اور تمام مزاحمتوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ایک اصول دیا گیا ہے کہ اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرة: ۴۵، ۱۵۳؛ الاعراف: ۱۲۸)

استغناء اور تزکیہ نفس کا تعلق:

سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۲۴ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ ’’جس نے میرے ذکر سے اعراض و پہلوتہی کی اس کی معیشت تنگ کر دی جائے گی۔ اس کی تفصیل میں تفسیر مظہری میں بیان شدہ سعید بن جبیر کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ دنیا میں معیشت کے تنگ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص سے قناعت کی صلاحیت سلب کر لی جاتی ہے اور دنیا کی حرص بڑھا دی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس جس قدر بھی مال جمع ہو جائے اسے قلبی سکون نصیب نہیں ہوتا اور ہمیشہ مال کے بڑھانے کی فکر لاحق رہتی ہے۔ اس کے ذہن کو کبھی سکون نصیب نہیں ہوتا‘‘۔ ذہنی سکون اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے بغیر انسان نہ سکون سے عبادت کر سکتا ہے نہ کاروبار زندگی چلا سکتا ہے اور ایسے شخص کی گھریلو زندگی بھی بے چینی کا شکار ہو جاتی ہے۔ (۱۵) گویا اس کے ذہن کی کیفیت وہ ہو جائے گی جس کا ذکر قرآن نے اس طرح سے کیا وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ۔ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ۔ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ (ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغل خور کیلئے خرابی ہے جو مال جمع کرتا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔ سورۃ التکاثر میں بھی اسی ذہنی کیفیت کا ذکر کیا گیا۔ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ’’تمہیں مال کی زیادتی کی طلب نے ہلاکت میں ڈال دیا یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں‘‘۔

سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر 32 میں لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا کے تحت ہمارے مفسر لکھتے ہیں کہ اللہ فرماتے ہیں کہ رزق عطا کرنے کی ذمہ داری میں نے اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ رزق حاصل کرنے کے لئے انسان زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہے کہ وہ زمین نرم کرنے کے بعد اس میں بیج ڈال دے۔ دانے کے اندر سے پودا اور درخت نکالنے میں انسان کا کوئی دخل نہیں۔ درخت اور پھل نکل بھی آئے، اس کے بعد وہ زیادہ سے زیادہ اس پھل کی حفاظت کر سکتا ہے۔ اس سے استفادہ تو اسی صورت میں کر سکے گا جب اللہ کو منظور ہوگا۔ جو شخص اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جائے اللہ تعالیٰ رزق کے سلسلے میں اس کی ساری مشقتیں آسان بنا دیتا ہے۔ ہمارے مفسر نے ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ فرماتے ہیں اے ابن آدم تو میری عبادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیلئے اپنے آپ کو فارغ کرلے تو میں تیرے سینے کو غنا اور استغناء سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کو دور کردوں گا۔ اگر تونے ایسا نہ کیا تو تیرا سینہ فکر اور شغل سے بھر دوں گا اور محتاجی دور نہ کروں گا یعنی تیرے پاس جتنا مال بڑھتا جائے گا تیری حرص بھی اتنی ہی بڑھتی جائے گی۔ اس لئے تو ہمیشہ محتاج ہی رہے گا۔(۱۶) مفتی صاحب نے عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ایک روایت بیان کی ہے ''جو شخص اپنے سارے فکروں کو ایک فکر (اللہ کو راضی کرنے کی فکر) بنادے تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے فکروں کی خود کفالت کر لیتا ہے اور جس کی فکر دنیا کے مختلف کاموں میں لگی رہے تو اللہ کو بھی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ ان فکروں کے کسی جنگل میں ہلاک ہوجائے۔(۱۷)

تزکیہ نفس اور عفو:

تصوف کی روح یہ ہے کہ انسان کا تعلق اللہ کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہو۔ اس مضبوطی کا ایک ذریعہ اللہ کی مخلوق ہے یعنی رب کی رضا، اس کی مخلوق سے محبت کرکے حاصل کی جائے۔ مخلوق کیلئے اس کا دل عفو و درگزر کا نمونہ ہو۔ سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر۱۳۰ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَاءِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی۔

''یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں آپ ان پر صبر کریں اور سورج کے طلوع و غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کریں اور رات کی ابتدائی ساعات میں بھی اس کی تحمید کیا کریں اور دن کے اطراف میں بھی تسبیح کیا کریں تاکہ تم خوش ہوجاؤ''۔

اس آیت کے ضمن میں مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر شخص کو دشمنوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ کبھی دشمن مضبوط و طاقتور ہوتا ہے کبھی کمزور۔ کمزور دشمن بھی کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس لئے دشمن سے بچنے کی فکر ہر شخص کو لاحق رہتی ہے اگر انسان اسی فکر میں لگا رہے کہ اس نے اپنے دشمن کو کس طرح نقصان پہنچانا ہے اور اسے کس کس سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے تو اس کی ساری زندگی منفی سوچ اور منصوبہ بندی کا شکار ہوجائے گی۔ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کا حل دو نکات میں بیان فرمادیا کہ صبر یعنی دوسروں کے ساتھ معاملات کے موقع پر اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور انتقام کی فکر میں نہ لگے رہنا، دوسرے اللہ کی یاد میں لگ جانا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ تجربہ شاہد ہے کہ صرف یہی نسخہ ہے جس سے ان ایذاؤں سے نجات مل سکتی ہے ورنہ انتقام کی فکر میں پڑجانے والا کتنا ہی مضبوط اور صاحب اختیار ہو بسا اوقات مخالف سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہو پاتا اور یہ فکر انتقام اس کیلئے ایک مستقل عذاب بن جاتا ہے جب انسان کی توجہ اللہ کی طرف لگ جائے اور اس کا یہ ذہن بن جائے کہ دنیا میں کوئی کسی کو نقصان اللہ کی مرضی کے بغیر نہیں پہنچا سکتا تو مخالف کی ایذاؤں سے پیدا ہونے والا غیظ و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غضب خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے آخر میں فرمایا لَعَلَّكَ ترضٰی۔ اس تدبیر سے آپ راضی خوشی زندگی بسر کر سکیں گے۔(۱۸)

سورۃ المزمل کی آیت: وَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس کی پرواہ نہ کریں اور ان سے مکمل طور پر احسن طریقے سے الگ ہو جائیں۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کی ایذاؤں اور گالیوں پر صبر کیا جائے۔ فرماتے ہیں یہ مقامات سلوک میں سے سب سے اعلیٰ مقام ہے کہ دشمنوں کی زیادتی اور ایذاء پر صبر کیا جائے۔ یعنی یہ صوفیاء جن لوگوں کی خیر خواہی اور ہمدردی میں اپنی ساری قوت و توانائی اور زندگی خرچ کرتے ہیں، وہی لوگ انہیں ایذاء دیتے ہیں۔ طرح طرح کی زیادتیاں کرتے ہیں، ان پر صبر جمیل کرنا یعنی انتقام کا ارادہ بھی نہ کرنا یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جو صوفیہ کی اصطلاح میں فناء کامل کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔ ھجرا جمیلا کا مطلب ہے جس سے قطع تعلق کیا جائے اسکے بارے میں کسی کے سامنے شکوہ شکایت بھی نہ کیا جائے۔(۱۹)

اعمالِ حسنہ اور تزکیہ نفس:

تفسیر معارف القرآن پر شاہ ولی اللہ ؒ کی فکر کے گہرے اثرات ہیں۔ یہ اثرات ہم اس تفسیر میں جگہ جگہ دیکھ سکتے ہیں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ شرعی اعمال دو طرح کے ہیں۔ ایک قسم کے اعمال وہ ہیں جو ہر شخص پر بلا تفریق یا تو لازم ہیں یا ان سے منع کیا گیا۔ جن اعمال کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہے یا جن سے منع کیا گیا ہے، ان احکام کے بجا لانے پر آخرت میں انعام ملے گا اور ان کی خلاف ورزی پر سزا ملے گی۔ ان احکام کا سب کو پابند کیا گیا ہے۔

دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جن کے بجا لانے یا ترک کرنے سے انسان کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور انسان کے باطنی ملکات کی نشوونما ہوتی ہے۔ ان احکام پر عمل کرنا ہر کسی پر فرض واجب تو نہیں ہے لیکن اگر ان پر عمل کیا جائے تو انسان کو روحانی بالیدگی، ایمان کی حلاوت، نیک اعمال کرنے میں سکون اور دل کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اس میں اعمال کا حسن نیت سے بجالانا شامل ہے۔ تصوف یہ ہے کہ انسان اپنی خوشی سے اپنے نفس کی طہارت و پاکیزگی کی خاطر اور اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ اعمال بجا لائے۔ اعمال محض عادت کے طور پر یا کسی شرعی یا قانونی جبر کے تحت یا خود بینی کے طور پر بجا نہ لائے جائیں۔ تفسیر معارف القرآن میں شاہ ولی اللہ ؒ کی فکر کے یہ اثرات سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 124 کے تحت صفحہ 183 جلد دوم، سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 199، 200 کے تحت صفحہ 154-159 جلد چہارم کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔ شاہ ولی اللہ ؒ کی احسان اور تصوف کے حوالے سے فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نفس کے تمام مطالبات پر اس طرح غلبہ حاصل کرلیں کہ ہم سے اللہ کی مرضی کے برعکس کوئی عمل سرزد نہ ہو۔ شاہ صاحب اسے سماحت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ سماحت کی کئی شکلیں ہیں۔اگر اس کا اظہار کھانے پینے، جنسی جذبات اور شہواتِ نفس کے مقابلے میں ہوتو اسے عفت کہتے ہیں۔اگر آرام طلبی اور عیش پرستی کے مقابلے میں ہوتو اسے مجاہدہ اور اجتہاد کہتے ہیں۔جزع فزع کے مقابلے میں ہوتو اسے صبر کہتے ہیں۔دوسروں سے انتقام کی شدید خواہش کے مقابلے میں ہوتو اسے عفو کہتے ہیں۔ حبِ مال کے مقابلے میں ہوتو اسے سخاوت وقناعت کہتے ہیں ۔ اگر احکامِ شریعت کی مخالفت اور عدمِ اطاعت کے مقابلے میں ہوتو اسے تقویٰ کہا جاتا ہے۔تفسیر معارف القرآن میں شاہ وولی اللہؒ کی یہی فکر کارفرما دکھائی دیتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں ان تمام خصائل کی اصل یہ ہے کہ انسان اپنے اندر ملکیت یعنی فرشتوں والے اوصاف کو غالب کرے اور بہیمیت یعنی نفس پرستی کو مغلوب کرلے اور اسے قبول نہ کرے۔آپ فرماتے ہیں کہ صوفیہ کے ہاں اسے قطع تعلق کے جامع لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(یہ قطع تعلق انسانوں سے نہیں بلکہ ملکاتِ بہیمہ ایسے افعال جو حیوانیت اور خواہشاتِ نفس کے غلبے سے سرزد ہوتے ہیں) صوفیہ اسے خسائسِ بشریہ کی فنا کہتے ہیں۔بعض اوقات اسے حریّت کے نام سے پکارتے ہیں۔آپؒ کے بقول اس کے حصول کا سب سے قابلِ اعتماد طریقہ یہ ہے کہ جو فعل اور عمل جو سماحتِ نفس کے خلاف ہو اس سے دور رہے اور اپنے دل کو اس کیلئے ہر وقت تیار رکھے کہ وہ اللہ ہی کی یاد میں مشغول رہے اور اپنے آپ کو ان برے اعمال سے الگ رکھے۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اگر انسان کے اندر سماحت کا ملکہ موجود ہےتو وہ اپنے نفس کی تمام خواہشات خواہ ان کا تعلق لذاتِ نفس سے ہو یا دوسروں سے انتقام لینے، دوسروں کو مغلوب کرنے اور دوسروں کا استحصال کرنے وغیرہ سے ہوتو وہ ان تمام بری خواہشات کو اپنے سے دور پھینکتا ہے۔اس کے نفس کی کیفیت ان معاملات میں اس طرح ہو جاتی ہے جیسا کہ کچھ ہوا ہی نہ ہو۔جس طرح آئینہ کے سامنے اگر کوئی چہرہ آئے تو اس کی شکل آئینے میں دکھائی دیتی ہے اور جونہی آئینے کے سامنے سے وہ چیز دور ہوتی ہے، اس کا عکس بھی غائب ہو جاتا ہے۔گویا سماحت کی خوبی کی موجودگی میں انسان پر رذائل کا اثر مرتب ہی نہیں ہوتا۔اس کے مقابلے میں منفی اخلاق کی بجائے اخلاقِ فاضلہ، انتقام کی بجائے عفو ودرگزر نفس پرستی کی بجائے رضائے الٰہی کو فوقیت دینا۔ مال کی محبت کی بجائے انفاق اور سخاوت کا اثر انسان کے دل پر اس طرح نقش ہوتا ہے جیسے کہ مہر کے نقوش لاکھ کے اندر نقش ہوجاتے ہیں۔(۲۰)

شاہ ولی اللہؒ کی یہ فکر مولانا شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا حفظ الرحمٰن کی اخلاق اور فلسفہ اخلاق، مولانا منظور احمد نعمانی کی معارف الحدیث اور مفتی محمد شفیعؒ کی معارف القرآن ڈاکٹر خالد علوی کی انسانِ کامل اور خلقِ عظیم میں دکھائی دیتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابتلاء و آزمائش اور تزکیہ:

صوفیائے کرام دنیوی مصائب و الام کی توجیہہ بھی اپنے انداز سے کرتے ہیں۔ مفتی محمد شفیع سورۃ الروم کی آیت نمبر ۴۵ کے تحت لکھتے ہیں مصائب و آلام کے ذریعے جن لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دی جاتی ہے یا جن کو ان کے درجات کی بلندی یا ان کے گناہوں کے کفارے کے طور پر امتحان میں مبتلا کیا جاتا ہے، ان دونوں کی آزمائش کی ظاہری شکل ایک سی ہی ہوتی ہے اب کس طرح فرق کیا جائے گا کہ کون اپنے گناہوں کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہے اور کس کے درجات بلند ہو رہے ہیں؟ اس مسئلے کی وضاحت شاہ ولی اللہؒ کے فرمان کی روشنی میں کرتے ہیں کہ جو نیک لوگ بطور امتحان مصیبت میں مبتلا کئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو مطمئن کر دیتے ہیں وہ اپنے مصائب و آفات پر ایسے ہی راضی ہوتے ہیں جیسے بیمار شخص کڑوی دوائی پینے یا اپریشن پر اس کے باوجود تیار ہو جاتا ہے کہ اسے اس سے تکلیف ہو رہی ہوتی ہے بلکہ وہ اس کیلئے مال بھی خرچ کرتا ہے، ڈاکٹر کے سامنے سفارشیں بھی کرواتا ہے۔ بخلاف ان گناہ گاروں کے جو بطور سزا مصیبت میں مبتلا کئے جاتے ہیں ان کی پریشانی اور جزع و فزع کی حد نہیں رہتی۔ بعض اوقات ناشکری اور کلماتِ کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسی بات کو مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حوالے سے بھی بیان فرماتے ہیں کہ جس مصیبت کے ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ، اپنے گناہوں پر تنبیہ اور توجہ استغفار کی رغبت زیادہ ہو جائے وہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ اللہ کا غضب نہیں بلکہ اس کی مہربانی اور عنایت ہے۔ (۲۱)

دنیوی نعمتوں سے استفادہ اور تزکیہ نفس:

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۳۳، قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ کے تحت یہود کی اس روش کی مذمت فرماتے ہیں کہ ان کے مذہبی راہنماؤں نے اپنی مرضی سے اللہ کے حلال کئے ہوئے جانوروں کو اپنے لئے حرام اور حرام کئے جانوروں کو حلال ٹھہرالیا۔ ایسا کرنا اللہ کے اختیارات میں مداخلت ہے۔ قرآن نے اس کی مذمت سورۃ التوبہ آیت نمبر 31 میں کی ہے کہ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنا لیا ہے۔ اس کے برعکس نصاریٰ نے رہبانیت کا راستہ اختیار کر لیا اور اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرنے سے گریز کیا اور سمجھ لیا کہ دنیا کی نعمتوں سے کنارہ کش ہونا اللہ کی رضا کا سبب بنتا ہے۔

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۸۸ میں فرمایا، وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ کے تحت مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ اگرچہ ترک دنیا اور ترکِ شہوات ولذات ایک درجہ میں محبوب و پسندیدہ ہے مگر اس میں بھی حدود الٰہیہ سے تجاوز کرنا مذموم اور حرام ہے۔ لکھتے ہیں کسی حلال چیز کو اپنے لئے ممنوع کر لینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تین درجے ہیں۔ایک یہ کہ اعتقاداً اسے حرام سمجھ لیا جائے۔دوسرے یہ کہ زبان سے کسی چیز کو اپنے لئے حرام قرار دے دیا جائے۔مثلاً قسم کھالے کہ میں آئندہ ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا یا فلاں قسم کی چیز نہیں کھاؤ گا یا فلاں کام نہ کروں گا۔تیسری صورت یہ ہے کہ نہ تو عقیدہ کے اعتبار سے حرام قرار دے نہ زبان سے اپنے لئے کسی چیز کو حرام قرار دے محض عملاً ہمیشہ کے لئے کسی حلال چیز کو چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرے۔

پہلی صورت میں اگر اس چیز کا حلال ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہو تو اس کا حرام سمجھنے والا اللہ کے قانون کی صریح مخالفت کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔دوسری صورت میں اگر قسم کے الفاظ کے ساتھ اس چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا ہے تو قسم واقع ہو جائے گی۔اس طرح کی قسم کھانا گناہ ہے اسے توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا تیری قسم یہ ہے کہ نہ تو عقیدے کے طور پر اور نہ ہی زبان سے کسی چیز کو حرام سمجھتا ہو بلکہ عمل میں کسی چیز کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جیسا حرام کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ کسی چیز کو مستقل طور پر چھوڑ دینے کا التزام کرے۔اس کا حکم یہ ہے کہ اگر حلال کو چھوڑنا ثواب سمجھتا ہے تو یہ بدعت اور رہبانیت ہے۔قرآن اسے عظیم گناہ قرار دیتا ہے۔اس کے خلاف کرنا واجب ہے ایسی پابندی پر قائم رہنا گناہ ہے۔لیکن اگر ایسی پابندی ثواب کی نیت سے تو نہ ہو بلکہ کسی اور وجہ سے مثلاً کسی جسمانی یا روحانی بیماری کے سبب کسی خاص چیز کو دائمی طور پر چھوڑ دے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ بعض صوفیائے کرام اور بزرگوں سے حلال چیزوں کے چھوڑنے کی جو روایات منقول ہیں ان کی حیثیت یہی ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کیلئے ان چیزوں کو مضر سمجھا اس لئے اسے بطور علاج چھوڑ دیا۔اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(۲۲)

مفتی محمد شفیعؒ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے طرز زندگی سے مثالیں دے کر واضح کرتے ہیں کہ اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے منہ موڑ کر انسان ترک دنیا کی راہ اختیار کرے۔سلفِ صالحین میں سے جن کو اللہ نے مالی وسعت دی تھی انہوں نے اکثر عمدہ لباس بھی پہنا۔نبی کریم ﷺ کے بارے میں روایات موجود ہیں کہ آپ کے جسم اطہر پر ایک روز ایسی چادر تھی جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی۔امام ابو حنیفہؒ نے بھی قیمتی چادر استعمال کی۔حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اچھا لباس پہنتے تھے۔مفتی صاحب اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو جس نعمت سے نوازیں اس کا اظہار اس کی ظاہری زندگی سے بھی ہونا چاہیے۔اظہار نعمت بھی ایک قسم کا شکر ہے۔مالی وسعت ہوتے ہوئے بھی پھٹے پرانے کپڑے پہننا ناشکری ہے۔ ہاں اس سلسلے میں ریاء کاری اور فخر و غرور کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہیے۔رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اپنا معیارِ زندگی بالکل سادہ رکھا اس کی وجہ یہ تھی کہ حاصل ہونے والا تمام مال غرباء میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اپنے پر دوسروں کو ترجیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے ہوئے ایثار کے تحت سب کچھ دوسروں کو دے دیا جاتا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ خود ستا لباس پہن کر دوسرے امراء کیلئے نمونہ پیش کریں اس کے علاوہ ایک اور سبب یہ تھا کہ امت کے غرباء کے ساتھ مشابہت ہو اور ان کی حوصلہ شکنی نہ ہو ان میں احساس محرومی پیدا نہ ہو کہ ہم غریب ہیں۔ ان ہستیوں کے غرباء جیسا معیارِ زندگی اختیار کرنے کی وجہ سے ان کی حوصلہ افزائی ہو جاتی تھی۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام جو ابتدائی طور پر ان کے پاس آنے والوں کو زینت والے لباس اور عمدہ اور لذیذ کھانوں سے روکتے ہیں اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کا استعمال دائمی طور پر ترک کر دینا باعثِ ثواب ہے بلکہ اپنی خواہشات نفس پر قابو پانے کیلئے ابتدائی طور پر ایسے مجاہدے بطور علاج کروائے جاتے ہیں اور جب وہ اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ خواہشات نفس قابو میں ہو جائیں کہ نفس اسے حرام یا ناجائز کی طرف نہ لے جا سکے تو صوفیاء عمدہ لباس اور لذیذ کھانوں کو استعمال کرتے ہیں اور اس وقت یہ طیباتِ رزق ان کے لئے معرفتِ خداوندی اور درجات قرب میں رکاوٹ کی بجائے اضافہ اور تقرب کا ذریعہ بنتے ہیں۔ (۲۳)

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ خوراک و پوشاک کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی سنت یہ ہے کہ ان چیزوں میں تکلف نہ کیا جائے۔ اپنی مالی وسعت کے مطابق جیسا لباس اور اچھی خوراک میسر ہو تو اس طرح کا تکلف نہ کیا جائے کہ اسے جان بوجھ کر خراب کیا جائے یا اس کے استعمال سے اجتناب کیا جائے۔ جس طرح اچھے اور عمدہ لباس کی تلاش کر کے اسے ہی حاصل کرنا تکلف ہے اسی طرح میسر شدہ اچھے لباس و خوراک کو خراب کرنا بھی درست نہیں ہے یا اچھے کو چھوڑ کر کم معیار کا کھانا استعمال کرنا بھی محض تکلف ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۳۶ کے الفاظ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (آپ فرما دیجئے یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کیلئے دنیا کی زندگی میں خالص انہی کیلئے ہیں"۔ کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ دنیا کی تمام نعمتیں، نفیس اور عمدہ لباس، پاکیزہ غذائیں دراصل اطاعت شعار مومنین ہی کیلئے پیدا کی گئی ہیں اور دوسرے لوگ انہی کے طفیل استعمال کر رہے ہیں۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں ہے یہاں کھرے کھوٹے اور اچھے برے کا امتیاز دنیا کی نعمتوں کے میسر ہونے سے نہیں کیا جا سکتا، بلکہ رحمٰن کی نعمتوں کا یہ دستر خوان یہاں سب کیلئے کھلا ہے بلکہ دنیا میں اللہ کی عادت یہ ہے کہ اگر مومن و فرمانبردار بندوں سے اطاعت شعاری میں کوئی کمی ہو جاتی ہے تو دوسرے لوگ ان پر غالب آ کر دنیوی نعمتوں کے خزانے پر قبضہ کر لیتے ہیں اور یہ فقرہ فاقہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (۲۴)

مذکورہ بالا آیت میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ دنیا اور آخرت کی تمام نعمتیں ایمان والوں کیلئے مختص ہیں۔ دنیا میں بھی ان لوگوں کو نعمتیں استعمال کرنی اور حاصل کرنی چاہییں اور آخرت میں بھی۔ اپنے حقوق کو حاصل کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیلئے اسی دنیا میں جدوجہد کرنی چاہیے تاکہ آخرت میں اپنا حق حاصل کر لیں۔مفتی صاحب نے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے اس بات کا یہ معنی لیا ہے کہ دنیا کی ساری نعمتیں اور راحتیں اس خاص کیفیت کیساتھ کہ وہ آخرت میں وبال جان نہ بنیں صرف فرمانبردار مومنین کا حصہ ہیں جبکہ کفار کو بھی دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں لیکن یہ ان کی آخرت کی بربادی کا ذریعہ بنتی ہیں۔(۲۵) سورۃ الاعراف کی آیت ۳۳ کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں سمجھدار لوگوں کیلئے اس طرح تفصیل سے بیان کرتے ہیں جسے ہر عالم و جاہل سمجھ لے۔ فرماتے ہیں اس آیت میں لوگوں کے غلو اور ان جاہلانہ خیالات کی تردید کی گئی ہے کہ اچھا لباس اور اچھا کھانا ترک کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔

زمانہ ماضی اور حال میں لوگ اس غلطی میں بھی مبتلا رہے ہیں کہ بہت سی ایسی چیزیں اور افعال جو شریعت میں یا تو صراحتاً حرام ہیں یا اپنی روح کے اعتبار سے وہ شریعت سے متصادم ہیں اور تصوف کی آڑ میں لوگوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ لوگ یہ کام اختیار کریں ان کاموں کو عین شریعت سمجھ کر لوگوں سے یہ کام کروائے جاتے ہیں۔سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۳۳ میں فرمایا قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔مفتی صاحب لکھتے ہیں اس آیت میں ان چیزوں کا ذکر ہے جو شریعت میں حرام ہیں اور ان کے ترک کرنے میں ہی اللہ کی رضا ہے۔ دراصل ایسے لوگ دوہری جہالت میں مبتلا ہیں ایک طرف اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حلال کر کے اللہ کی حدود میں مداخلت کے مرتکب ہوتے ہیں جبکہ اللہ کی تقسیم کی کوئی پرواہ نہ کرنا بہت بڑا جرم ہے۔دوسری طرف جو چیزیں حقیقت میں حرام تھیں اور جن کے استعمال سے اللہ کا غضب اور آخرت کا خسارہ حصے میں آتا ہے،ان چیزوں کو اختیار کر کے وہ اس غضب کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں۔اس طرح دنیا اور آخرت دونوں کے خسارے کے حقدار بن جاتے ہیں۔(۲۶)

تصوف میں غلو:

تصوف میں غلو بھی اختیار کیا گیا ہے۔یہ رجحان جس طرح عیسائیت میں پیدا ہوا اسی طرح مسلمانوں میں بھی تصوف کے شعبے میں افراط و تفریط اختیار کی گئی اور رضاءِ الٰہی کیلئے خود ساختہ اعمال کا اضافہ کر دیا گیا۔دین میں غلو کے حوالے سے مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ غلو اور بدعات کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ جو شخص ان چیزوں میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ دین کی اصل اور اہم ضروریات سے عادۃً غافل ہو جاتا ہے اس لئے غلو فی الدین اور بدعت کا نقصان دوہرا ہوتا ہے ایک غلو اور بدعات میں مبتلا ہونا گناہ ہے دوسرے اس کے بالمقابل صحیح دین اور سنت کے طریقوں سے دور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔ ایسے لوگ ایک طرف خلافِ دین کام کر رہے ہوتے ہیں تو دوسری طرف غلط کام کو دین کا حکم سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ غلط کام کر کے بھی توبہ کی توفیق نہیں پاتے۔ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (المائدۃ: ۲۱۲/۳) کی تفسیر کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں کہ دین اصل میں چند حدود و قیود ہی کا نام ہے ان حدود پر عمل کرنے میں کوتاہی اور کمی کرنا جس طرح جرم ہے اسی طرح ان حدود کو پھلانگ کر آگے بڑھ جانا اور اپنی طرف سے احکام شامل کر لینا بھی غلط اور غلو فی الدین ہے۔ دین میں کمی یا بیشی دونوں جرائم ہیں۔ (۲۷)

دنیا فی نفسہٖ ناپسندیدہ نہیں

سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۳۲ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ۔ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ دنیوی زندگی کو جو لہو و لعب کہا گیا اور احادیث میں اس دنیا کی مذمت کی گئی ہے اس سے مراد دنیوی زندگی کے وہ لمحات ہیں جو اللہ کی اطاعت اور اس کے ذکر کے بغیر گزریں۔ اس کی وضاحت اس حدیث پاک سے ہوتی ہے۔

الدنیا ملعون و ملعون ما فیھا الا ذکر اللہ او عالم او متعلم (ا)(۲۷)

''دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ملعون ہے سوائے عالم اور متعلم کے''

لکھتے ہیں کہ ہر وہ کام جو اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کے مطابق سرانجام دیا جائے وہ ذکر اللہ ہی ہے۔ طالب علم اور عالم جو اللہ کا دین پڑھاتے پڑھتے ہیں وہ اللہ ہی کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ آپ امام جزری کا قول نقل کرتے ہیں کہ ہر وہ کام جو اللہ کی اطاعت میں کیا جائے ذکر اللہ ہی ہے۔ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کے سب ضروری کام، کسب، معاش کے تمام جائز طریقے اور دوسری ضروریات جو حدودِ شریعت سے باہر نہ ہوں، اہل و عیال، اقرباء، احباء، پڑوسی اور مہمان کے حقوق کی شریعت کے مطابق ادائیگی کو احادیث میں صدقہ و عبادت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ ہمارے موضوع تحقیق کے حوالے سے ایک ایسا تصور زندگی دیتے ہیں جس میں اللہ کی رضا کے حصول کا طریقہ دنیا اور اس کی نعمتوں سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لینا نہیں ہے بلکہ ایک بھرپور زندگی ہے جو اللہ کی اطاعت میں گزاری جائے۔ مفتی صاحب مولانا انور شاہ کشمیری کا بیان نقل کرتے ہیں کہ اس دنیا میں ایسی چیز جو ہر انسان کو حاصل ہے اور جو سب سے زیادہ محبوب اور قیمتی ہے وہ اس کی اس دنیا کی زندگی ہے اور یہ زندگی بڑی محدود ہے۔ اللہ کی رضا جس کے نتیجے میں انسان کو دنیا و آخرت کی راحت وعیش اور ابدی آرام میسر آتا ہے وہ اسی محدود زندگی میں حاصل کی جا سکتی ہے۔ ہر انسان کو اللہ نے عقل و ہوش عطا کی ہے وہ اسے کام میں لا کر خود فیصلہ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتا ہے کہ وہ اس زندگی کے محدود لمحات کو کس کام میں لا کر کس طرح خرچ کرے۔ مولانا انور شاہؒ فرماتے ہیں بلا شبہ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اس قیمتی زندگی کو زیادہ سے زیادہ اس کام میں خرچ کیا جائے جس سے اللہ کی رضا حاصل ہو۔ باقی جو کام اس زندگی کو برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہیں انہیں بقدرِ ضرورت ہی اختیار کیا جائے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا۔(۲۸)

"عقل منداور ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور بقدر کفایت معاش پر راضی ہو جائے اور مرنے کے بعد کیلئے سارا عمل وقف کر دے۔"(ل)(۲۸)

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۳۱ کلو اواشربواو لاتسرفوا کے تحت لکھتے ہیں کہ کھانا پینا اور پہننا شرعی اعتبار سے ہر انسان پر فرض و لازم ہے۔ کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جائے یا اس قدر کمزور ہو جائے کہ واجبات بھی ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو ایسا شخص اللہ کے نزدیک مجرم و گنہگار ہوگا۔(۲۹) حضرت عمرؓ نے فرمایا زیادہ کھانے پینے سے بچو کیونکہ وہ جسم کو خراب کرتا ہے۔ بیماریاں پیدا کرتا ہے عمل میں سستی پیدا کرتا ہے بلکہ کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرو کہ وہ جسم اور صحت کیلئے بھی مفید ہے اور اسراف سے بھی دور ہے۔ اللہ تعالیٰ فربہ جسم کے عالم کو پسند نہیں فرماتے۔ آدمی اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتا جب تک وہ اپنی نفسانی خواہشات کو دین پر ترجیح نہ دینے لگ جائے۔(۳۰) لکھتے ہیں کہ سلف میں اس بات کو نہایت ناپسندیدگی سے دیکھا گیا ہے کہ آدمی ہر وقت کھانے پینے کے دھندے میں مصروف رہے اور اسے دیگر کاموں سے مقدم رکھے۔ ابن ماجہ میں حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی کا جب کسی چیز کے کھانے کو جی چاہے اسے ضرور ہی پورا کرے۔

رہبانیت اور تزکیہ نفس:

سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۷ کے تحت لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بہتر فرقے بنے ان میں سے تین نے نجات پائی۔ باقی گمراہ ہوئے۔ پہلے وہ جو فاسق حکمرانوں کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے دین پر قائم رہے۔ مظالم برداشت کئے۔ مغلوب ہوئے اور قتل کر دیئے گئے۔ ایک دوسرا طبقہ وہ تھا جن میں پہلے والے لوگوں کی طرح قوت و طاقت تو نہ تھی لیکن یہ بھی کلمہ حق بلند کرنے والے تھے۔ ان پر بھی بے حد مظالم ڈھائے گئے۔ تیسرا گروہ وہ ہے جن میں ظالموں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ تھی۔ انہوں نے ظالموں سے ٹکر لینے کی بجائے ان سے بچنے کی راہ اختیار کی۔ اس لئے انہوں نے جنگلوں کی راہ لی۔ راہب بن گئے۔ ان لوگوں کے بارے میں قرآن نے کہا کہ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اور رہبانیت جس کا انہوں نے خود ہی آغاز کر لیا تھا ہم نے ان پر اسے لازم نہیں کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ جس میں بنی اسرائیل کے بہتر فرقوں اور ان میں سے تین فرقوں کے نجات پا جانے کا ذکر ہے۔ اس حدیث کی رو سے رہبانیت اختیار کرنے والا فرقہ بھی نجات پانے والا گروہ ہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ رہبانیت اگرچہ لوگوں نے خود اپنی مرضی سے اختیار کی تھی لیکن یہ اپنی ذات میں مذموم اور بری چیز نہ تھی البتہ یہ کوئی شرعی حکم بھی نہ تھا۔ انہوں نے رہبانیت کو خود اپنے اوپر لازم کرلیا تھا۔ قرآن مجید میں رہبانیت کے جس پہلو کو قابلِ مذمت قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں ے رہبانیت کی راہ اپنی مرضی سے اختیار کی لیکن خود ہی اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرسکے۔ خود ہی اپنے بنائے ہوئے ضابطوں پر عمل نہ کرسکے۔ اسی کے بارے میں قرآن نے فرمایا فَمَارَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ''انہیں جس طرح رہبانیت کے تقاضوں کی رعایت رکھنی چاہیے تھی اس طرح ان کی رعایت نہ رکھ سکے''۔ قرآن نے ان کے راہبانیت کی راہ اختیار کرنے کی مذمت نہیں کی بلکہ اس بات کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے اس کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا، مفتی صاحب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی ایک روایت کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ رہبانیت اختیار کرنے والا گروہ نجات یافتہ گروہ تھا۔

حدیثِ نبوی ﷺ میں ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ ''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے''۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ رہبانیت کا معنی ترکِ لذات ہے۔ اس کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ راہب مباح چیز کو حرام تو قرار نہ دے مگر اس کا استعمال جس طرح سنت سے ثابت ہے اس طرح کے استعمال کو بھی ترک کردینا ثواب اور افضل سمجھ کر اس سے پرہیز کرنا۔ مفتی صاحب اسے غلو قرار دیتے ہیں اس طرح کے عمل سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ لا رھبانیة فی الاسلام (۳۱) گویا آپ کے خیال میں رہبانیت مطلقاً مذموم نہیں ہے۔

سورۃ المزمل کی آیت نمبر ۸، وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا کے تحت لکھتے ہیں کہ رہبانیت اصطلاحِ شرع میں اس ترکِ دنیا اور ترکِ تعلقات کو کہتے ہیں جس میں تمام لذائذ اور حلال وطیب اشیاء کو اس ذہن اور سوچ کے ساتھ چھوڑ دے کہ ایسا کرنا عبادت ہے اور خیال ہو کہ ان چیزوں کو چھوڑے بغیر اللہ کی رضا حاصل نہیں کی جاسکتی، فرماتے ہیں کہ ان حقوق کو ترک کردینا ان کی ادئیگی نہ کرنا جو اس پر واجب ہیں (ان حقوق واجبہ میں بیوی، اولاد، والدین، عزیز واقارب، عام مسلمان اور ہمسائے وغیرہ شامل ہیں) شریعت کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

فرماتے ہیں کہ سورۃ المزمل میں فرمایا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا یعنی ''اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور سب سے الگ ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جا'' میں جس تبتل کا حکم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق پر کسی دوسری مخلوق کا تعلق غالب نہ آجائے یعنی ایسا نہ ہو کہ اللہ کی محبت پر اس کے والدین، اولاد، بیوی، بچوں، اس کے کاروبار، عزیز واقارب اس کے وطن کی محبت غالب آجائے۔ اللہ کی محبت پر کسی کی محبت نہ اعتقاداً غالب آئے نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عملاً۔ ایسا ترک تعلق تمام دنیوی معاملات، ازدواج و نکاح، تعلقات اور رشتہ داریوں کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اللہ سے محبت رکھتے ہوئے بھی ان سب رشتوں کے ساتھ محبت رکھی جاسکتی ہے۔ اللہ سے محبت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ باقی سب سے قطع تعلق کر دیا جائے۔ صرف اتنا ہے کہ ان کی محبت اللہ کی محبت پر غالب نہ آ جائے مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء اور پھر نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارک سے اس کی مثال دی جاسکتی ہے کہ آپ ﷺ نے بھر پور معاشرتی زندگی بھی گزاری اور سب انسانوں سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرنے والے بھی تھی۔ تفسیر مظہری کے حوالے سے مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ اسی کو اخلاص کہا جاتا ہے۔(۳۲)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ تین صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں معلوم کرنے کیلئے آئے جب انہیں حضور ﷺ کا معمول بتایا گیا تو انہوں نے سمجھا کہ حضور ﷺ کے عمل سے ہمارا کیا مقابلہ، آپ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف ہو چکی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے کنارہ کشی کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر حضور ﷺ تشریف لائے اور پوچھا کہ ان حضرات سے کیا باتیں ہوئی ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اللہ سے تم سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اگر میں روزے رکھتا بھی ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔(۳۳)

سورۃ المزمل کی آیت وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تبتل کا معنی ہے آپ تمام مخلوقات سے قطع نظر کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور عبادت میں لگ جائیں۔ اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو کسی بھی طرح شریک نہ کیا جائے بلکہ اللہ ہی کیلئے عبادت کو خالص کر دیا جائے۔ اپنے تمام اعمال و افعال، حرکات و سکنات میں نظر اور بھروسہ صرف اللہ پر رہے کسی مخلوق کو نفع و ضرر کا مالک یا حاجت روا مشکل کشا نہ سمجھا جائے۔ حضرت ابن زید نے فرمایا کہ تبتل یہ ہے کہ دنیا وما فیھا کے فوائد کو اللہ کی رضا پر قربان کر دیا جائے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ جس تبتل اور مخلوق سے قطع تعلق کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس ترک تعلق سے بالکل مختلف ہے جسے قرآن میں رہبانیت کہہ کر اس کی مذمت کی گئی ہے۔(۳۴)

توکل اور تزکیہ نفس:

تصوف میں توکل بھی ایک مخصوص اصطلاح ہے اور انسان کے رویے کی تشکیل میں اس کا بنیادی کردار ہے۔ سورۃ المزمل کی آیت نمبر ۱۹ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا کے تحت لکھتے ہیں کہ توکل کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلب یہ نہیں کہ کسبِ معاش اور کسی مصیبت سے بچنے کے جو اسباب و آلات اللہ نے عطا کئے ہیں ان سے استفادہ نہ کیا جائے۔ بلکہ توکل یہ ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کیلئے اللہ کی دی ہوئی قوت و توانائی اور جو اسباب میسر ہیں انہیں پورے طور پر استعمال میں لایا جائے لیکن مادی اسباب پر ہی اعتماد نہ کیا جائے۔ جتنا کسی کے بس میں ہے اس قدر محنت کی جائے اور نتائج کو اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر مقصد پورا ہو جائے تو اس پر اللہ کا شکر بجا لایا جائے اور اگر مقصد حاصل نہ ہو تو اسے اللہ کی مرضی سمجھتے ہوئے صبر کیا جائے۔ امام بغوی کی شرح السنۃ اور بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا الا وان نفسالن تموت حتی رزقها الا فاتقو الله واجملو افی الطلب وتو کلوا علیه کوئی شخص اس وقت تک فوت نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اللہ کی طرف سے اپنے مقدر میں لکھا ہوا رزق پورا پورا حاصل نہیں کر لے گا۔ اس لئے تم اللہ سے ڈرو اور اپنی خواہشات کی طلب کو مختصر رکھو۔ دنیا میں اس قدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ قلب کی ساری توجہ اسباب و آلات میں محصور ہو کر رہ جائے۔ اللہ پر توکل کرو۔ ترمذی شریف کی حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ترکِ دنیا اس کا نام نہیں کہ تم اپنے اوپر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لو جو مال تمہارے پاس ہو اسے خواہ مخواہ اڑا دو بلکہ ترکِ دنیا اس کا نام ہے کہ تمہارا اعتماد اللہ کے ہاتھ میں جو چیز ہے اس پر زیادہ ہو بہ نسبت اس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ (۳۵)

خلاصہ بحث:

معارف القرآن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں تزکیہ نفس کے طریقِ کار میں وہی راہ بیان کی گئی ہے جس کا تعین احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں سلف صالحین نے اختیار کیا ہے۔ مفتی محمد شفیع نے قرآن مجید کی آیات کی تشریح اس انداز سے کی ہے کہ اسلامی تصورِ زندگی میں کہیں پست خیالی، افراط و تفریط کا شکار انکساری اور کم ہمتی کا عنصر دکھائی نہیں دیتا عزیمت و استقلال کو ترجیح دی گئی ہے اور تزکیہ نفس کا اسلامی تصور عیسائیت، بدھ مت، ہندو مت اور دیگر غیر سامی و سامی مذاہب سے بالکل جداگانہ دکھائی دیتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (۳۶) (آلِ عمران: 159)

جب آپ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لیں تو پھر اللہ پر توکل کریں بے شک اللہ تعالیٰ اس پر توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان الله یحب معالی الامور ویبغض سفافها (۳۶)

بے شک اللہ تعالیٰ بلند ہمتی کے کاموں کو پسند کرتا اور پست ہمتی کے کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

المومن القوی خیر واحب الی اللہ من المومن الضعیف وفی کل خیرا حرص علی ما ینفعك واستعن باللہ ولا تعجز وان اصابك شی فلا تقل لوانی فعلت کان کذاو کذا ولکن قل قدر اللہ وما شاء فعل فان لو تضح عمل الشیطان (۳۷)

اللہ کے نزدیک قوی مومن ضعیف مومن کے مقابلے میں زیادہ اچھا اور محبوب ہے، اور ہر ایک میں بھلائی ہے اور ہر وہ چیز جو تجھے نفع دے اس کی پوری خواہش کر اور اس کے حصول کیلئے اللہ سے مدد طلب کر۔ اور اس مفید چیز کو حاصل کرنے میں کوئی کمزوری نہ دکھا اور اگر اس میں تجھے کچھ تکلیف پہنچ جائے تو اس طرح نہ کہہ کہ اگر میں یوں کرتا تو یوں ہو جاتا اور یوں کہہ کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور اس نے جو چاہا کر دیا اور یہ اگر اور مگر شیطان کا عمل ہے۔

معارف القرآن میں تصوف اور تزکیہ نفس کے اعتبار سے مفتی محمد شفیعؒ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 128 کے تحت لکھتے ہیں کہ مختلف مہمات و مشکلات میں اللہ سے مدد طلب کرنا اور صبر کرنا وہ بنیادی اصول ہیں جو دشمن پر غالب آنے کیلئے اکسیر کا مقام رکھتے ہیں۔ آیت مبارکہ "قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا" (الاعراف: ۱۲۸) کے تحت لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے اسباب خود بخود مہیا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دشمن اور مصائب کے مقابلے میں اللہ کی مدد سے بڑھ کر کوئی بڑی سے بڑی قوت انسان کیلئے کارآمد نہیں ہو سکتی۔(۳۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، جلد چہارم، صفحہ 57

(۲) ایضاً

(۳) التوبہ، سورۃ نمبر: 191

(۴) الاعراف، سورۃ نمبر: 170

(۵) معارف القرآن، جلد چہارم، صفحہ 106

(۶) التوبہ، سورۃ نمبر: 31

(۷) معارف القرآن، جلد اول، صفحہ 338

(۸) ایضاً، جلد اول، صفحہ 340

(۹) ایضاً، جلد اول، صفحہ 492

(۱۰) ایضاً، جلد ششم، صفحہ 665

(۱۱) ایضاً

(۱۲) ایضاً، جلد ششم، صفحہ 486-488

(۱۳) ایضاً، جلد اول، صفحہ 220

(۱۴) ایضاً، جلد چہارم، صفحہ 41

(۱۵) ایضاً

(۱۶) ابن ماجہ، ابواب الزہد، حدیث نمبر 4106

(۱۷) ایضاً، جلد چہارم، صفحہ 166

(۱۸) ایضاً

(۱۹) ایضاً، جلد ہشتم، صفحہ 598

(۲۰) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، حصہ دوم، صفحہ 150,156,157

(۲۱) ایضاً، جلد ششم، صفحہ 753

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۲) ایضاً،جلدسوم،صفحہ 220

(۲۳) ایضاً،جلدسوم،صفحہ 549،550

(۲۴) ایضاً

(۲۵) ایضاً،جلدسوم،صفحہ 551

(۲۶) ایضاً

(۲۷) ایضاً،جلدسوم،صفحہ 212

(۲۷)(ل) ترمذی،کتاب الزھد،باب انالدنیاملعونة،حدیث نمبر2322

(۲۸) ایضاً،جلدسوم،صفحہ 311

(۲۸)(ل) ابن ماجہ،ابواب الزھد،حدیث نمبر4138

(۲۹) ایضاً،صفحہ 546

(۳۰) ایضاً،جلدہشتم،صفحہ 239

(۳۱) ایضاً،جلدہشتم،صفحہ 336-337

(۳۲) بخاری،کتاب النکاح،باب الترغیب فی النکاح،حدیث نمبر5063

(۳۳) معارف القرآن،جلدہشتم،صفحہ593

(۳۴) ایضاً،جلدہشتم،صفحہ 595

(۳۵) ایضاً

(۳۶) طبرانی،معجم الکبیر،2826

(۳۷) مسلم،باب فی الامر باالقوة،نمبر4816

(۳۸) ایضاً،جلد چہارم،صفحہ 41

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com